استغفار گناہوں کے احتمالات سے بچنے کے لئے خدا کی مدد مانگنا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 /اپریل 1997ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۷﴾

(الشوریٰ: 27،26)

پھر فرمایا:

توبہ اور خالص عبادت کے مضمون کے سلسلے میں میں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس پڑھا تھا جس کی ابھی چند سطور پڑھی تھیں کہ جمعہ کا وقت ختم ہو گیا اور اس سوال پر میں پہنچا تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اٹھایا کہ اب سوال یہ ہے کہ زہر کیوں بنایا گیا یعنی اگر گناہ زہر ہی ہے جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے لکھ چکے ہیں کہ زہر ہے جس کا ایک تریاق بھی ہے۔ زہر گناہ ہے تو تریاق توبہ ہے۔ اگر سچی توبہ کی جائے تو جس طرح اچھا تریاق زہر کے ہر بد اثر کو مٹا دیتا ہے اور کالعدم کر دیتا ہے اسی طرح سچی توبہ گناہ کے ہر بد اثر کو کلیۃً مٹا ڈالتی ہے لیکن تریاق حقیقی اور صحیح ہونا چاہئے۔

اس ضمن میں جب آپ نے زہر کی مثال دی تو ساتھ فرمایا:

''اب سوال یہ ہے کہ زہر کیوں بنایا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ گو یہ زہر ہے مگر کشتہ کرنے سے حکم اکسیر کا رکھتا ہے۔''

اب زہر کو کشتہ کرنے کا جو مضمون ہے اس کے نتیجے میں جو فائدہ پہنچتا ہے یہ وہ بنیادی مضمون ہے جس کو کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے اور غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے نفس انسانی کی اصلاح کے بہت سے رستے کھلیں گے اور بڑی وضاحت کے ساتھ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم نے کس راہ پہ قدم رکھنا ہے۔ حکماء کا ایک طریق یہ ہے کہ زہر کو اتنا جلا دیتے ہیں اور ہر زہر کو جلانے کے الگ الگ طریقے مقرر ہیں، اتنا جلا دیتے ہیں کہ یہ بات قطعی اور یقینی ہو جائے کہ زہر اپنا بداثر نہیں دکھا سکتا لیکن ایک دھمکی سی دیتا ہے، ڈراتا ہے کہ میں یہ کرنے والا ہوں اور اس ڈر کے نتیجے میں انسانی دفاع بیدار ہو جاتا ہے اور جب انسانی دفاع بیدار ہوتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس زہر پر قابو پاتا ہے بلکہ اس زہر سے ملتی جلتی ہر قسم کی بیماریوں پر قابو پانے کی صلاحیت پا جاتا ہے اور یہ صلاحیت جو ہے پھر ہمیشہ اس کے مختلف مواقع پر کام آتی رہتی ہے۔ زہر جس کو تریاق بنایا گیا، جس کو کشتہ کیا گیا وہ تو وقتی طور پر دیا جاتا ہے اور پھر اپنا ایک اثر چھوڑ کر وہ اس مضمون سے الگ ہو جاتا ہے اس کی ضرورت ہمیشہ باقی نہیں رہتی مگر جو فائدہ پہنچا دیتا ہے وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ پس جو لوگ زہر کا تریاق کھاتے رہتے ہیں ان کے اندر زیادہ بڑے زہر کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بڑھتی چلی جاتی ہے، پس صلاحیت کا مطلب ہے اس کا اثر نہیں ہونے دیتے یعنی بدزہر اپنا اثر دکھانے میں ناکام رہتا ہے۔ یہ وہ لطیف اور باریک مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ایک فقرے میں بیان فرمایا: ''**مگر کشتہ کرنے سے حکم اکسیر کا رکھتا ہے**''۔

اب سوال یہ ہے کہ گناہ سے تریاق کا فائدہ اٹھانا کیسے ممکن ہے۔ سوائے اس کے ممکن نہیں کہ گناہ کو اتنا پیسا جائے اور اس کی ایسی مخالفت کی جائے کہ اس کو اپنے نفس پر غلبے سے معذور کر دیا جائے۔ اس کو اہل ہی نہ رہنے دیا جائے کہ وہ آپ کے نفس پر غلبہ پا سکے۔ وہ تریاق ہے جو آپ کے کام آئے گا اور آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کو بڑھائے گا اور یہی سچی توبہ کا مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ایک فقرے میں بیان فرما دیا۔

پھر فرماتے ہیں:

”اگر گناہ نہ ہوتا تو رعونت کا زہر انسان میں بڑھ جاتا اور وہ ہلاک ہو جاتا۔“ (ملفوظات جلد اول صفحہ:3)

اب یہ دوسری دلیل ہے اور یہ بھی بہت توجہ سے سننے کے لائق اور سمجھنے کے لئے غور کی ضرورت ہے۔ فرماتے ہیں **”اگر گناہ نہ ہوتا تو رعونت کا زہر انسان میں بڑھ جاتا“** یعنی گناہ محض اس لئے نہیں ہے کہ تم اس کو کشتہ کرتے چلے جاؤ اور اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگر گناہ ہوتا ہی نہ تو پھر کشتہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تو اس کا یہ دوسرا پہلو جو ہے اس کا جواب آپ نے دیا ہے جو بہت باریک ہے اسے غور سے سمجھنا چاہئے۔ فرماتے ہیں اگر گناہ کا زہر نہ ہوتا تو رعونت کا زہر ضرور ہوتا اس لئے مفر ہی نہیں ہے تو رعونت سے بچانے کے لئے گناہ ضروری ہے۔ اب اس عبارت کو اگر سرسری نظر سے آپ پڑھیں گے تو اس کے نتیجے میں بہت سے ایسے اعتراض اٹھ سکتے ہیں جو ناقابل حل ہوں گے۔

اگر معصومیت تکبر پیدا کرتی ہے تو فرشتوں میں تکبر کیوں پیدا نہ ہوا۔ انسان سے پہلے تو فرشتے تھے اور وہ معصوم تھے۔ تکبر کا سب سے پہلا الحاق شیطان سے ہوا ہے جس کو قرآن نے کھول کر بیان فرمایا کہ وہ فرشتہ نہیں تھا وہ ایک ایسی مخلوق تھی جس میں بغاوت کا مادہ موجود تھا، جو گناہ کی جڑ ہے جس سے باقی سب گناہ پھوٹتے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: **”اگر گناہ نہ ہوتا تو رعونت کا زہر انسان میں بڑھ جاتا“**۔ فرشتہ تو انسان ہے نہیں اس کے اندر معصومیت ان معنوں میں نہیں کہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ پس اگر گناہ کا وجود نہ ہوتا اور گناہ کی صلاحیت انسان میں موجود ہوتی تو پھر تکبر پیدا ہوتا۔

پس شیطان نے جو پہلا گناہ کیا ہے وہ اس صلاحیت کی وجہ سے کیا ہے اور اس صلاحیت کا غلط استعمال ہوا۔ اگر اس کا صحیح استعمال ہوتا تو شیطان بہت معزز ہو جاتا۔ جس طرح انسان فرشتوں سے بھی آگے بڑھ گیا اسی اصول کے تابع شیطان بھی خدا سے جزا پاتا کیونکہ گناہ کی صلاحیت موجود تھی اس سے باز رہنا اور اس پر غلبہ پانا یہ اس کو نصیب نہیں ہو سکا اور وہ اندھا دھند اس کا شکار ہو گیا۔ تو گناہ کا فلسفہ جو ہے وہ بہت باریک فلسفہ ہے اور اگر اسے نہ سمجھیں تو بہت سی عبارتیں ہیں جن سے انسان فائدے کی بجائے نقصان بھی اٹھا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں گویا کہ حدیث ہے جس کا تفصیلی حوالہ تو نہیں مگر مضمون رسول اللہ ﷺ کی طرف ہی منسوب ہوا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مخلوق میں یہ دیکھتا کہ اس میں کوئی گناہ باقی نہیں رہا تو اس مخلوق کو مٹا دیتا اور ایک اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور پھر گناہ اور توبہ کا سلسلہ از سرِ نو شروع ہو جاتا۔ اب یہ جو سوال ہے یہ بہت ہی عجیب سا ہے اور بہت الجھنیں پیدا کرنے والا دکھائی دیتا ہے مگر جو بات میں اب بیان کر چکا ہوں اگر اس کی طرف واپس لوٹیں تو اس سوال کی بالکل صاف سمجھ آ جاتی ہے کہ جواب کیا ہے۔ فرشتے بھی تو وہی تھے جو گناہ نہیں کرتے تھے اور گناہ نہ کرنے کی وجہ ان کی گناہ کرنے کی صلاحیت کا فقدان تھا۔ پس اگر انسان میں بھی ایسی حالت ہوتی کہ گویا وہ صلاحیت سے محروم ہو جاتا اور ہر طرف نیکی ہی نیکی دکھائی دیتی تو انسان اپنے پیدائش کے مقصد کو کھو دیتا اور اس کی پیدائش کا مقصد جو مسلسل ترقی دینا ہے وہ اسے حاصل نہ رہتا اس لئے اس کو مٹایا جاتا ورنہ گناہ دیکھنے کا شوق تو نہیں ہے اللہ تعالیٰ کو اور محض یہ سمجھ لینا کہ بخشش کے اظہار کی خاطر وہ گناہ کرواتا ہے یہ درست نہیں ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر بخشش کا وہ معنی درست نہیں جو عرف عام میں سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو بھی چھیڑا ہے اور بخشش کا صحیح معنی بیان فرمایا جس کے نتیجے میں یہ اعتراض اٹھ جاتا ہے۔

تو یہ خلاصہ کلام ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس عبارت کا جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے یعنی عبارت مختصر لیکن اس کی مختصر تفصیل میں نے آپ کے سامنے کھولی ہے۔ فرماتے ہیں ’’**اگر گناہ نہ ہوتا تو رعونت کا زہر انسان میں بڑھ جاتا۔**‘‘ رعونت کا زہر گناہ کی صلاحیت کی بناء پر پیدا ہوتا ہے نہ کہ اس کے بغیر۔ اگر فرشتوں میں گناہ نہیں تھا اس کے باوجود رعونت نہیں ہوئی اس لئے کہ گناہ کی صلاحیت نہیں تھی۔ پس فرمایا انسان کو فطرتاً ایسا بنایا گیا ہے کہ اس میں گناہ کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ پھر اگر وہ گناہ نہ کرتا اور کلیۃً پاک ہوتا تو اس میں رعونت کا زہر بڑھ جاتا۔ اب ایک مقام ایسا ہے جس کی طرف انسان کی نظر پھرتی ہے اور وہ مقام مصطفیٰ ﷺ ہے اور درجہ بدرجہ دیگر انبیاءؑ کا بھی یہ مقام ہے لیکن ان میں فرق ہے آپس میں لیکن بنیادی طور پر انبیاءؑ کی معصومیت ان کو دوسروں سے الگ کرتی ہے تو پھر ان میں تکبر کیوں پیدا نہیں ہوتا؟

اگر گناہ کی صلاحیت کے باوجود گناہ نہ کرنے کے نتیجے میں تکبر پیدا ہونا تھا اور اس لئے اللہ تعالیٰ

نے گناہ کے امکانات کو کھلا رکھا، احتمالات کو کھلا رکھا تا کہ انسان اس سے بچے اور ترقی کرے، اگر ترقی کرے اور معصوم ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں تو کلّی معصومیت جو ہے وہ پھر کبر پیدا کر دیتی ہے تو پھر انبیاءؑ میں کیوں نہ ہوا، وہ کیوں تکبر سے بچ گئے۔ یہاں استغفار ہے جو اپنا عمل دکھاتا ہے جس کی صحیح تفسیر سمجھنے کے نتیجے میں پھر یہ سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ استغفار کرتے تھے اور یہی بات ہے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عبارت کو اپنے درجہ کمال تک پہنچا دیا، فرمایا: ”جب نبی معصوم ستر بار استغفار کرے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے“۔

اب معصومیت کو تکبر سے بچانے کے لئے استغفار لازم ہے اور استغفار گناہوں کے احتمالات سے بچنے کے لئے خدا کی مدد مانگنا ہے۔ پس معصومیت وہ تکبر بنتی ہے جس میں انسان اپنے وجود پر انحصار کرتے ہوئے اپنی نیکیوں کی وجہ سے گناہوں سے بچنے کا وہم دل میں لاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ دیکھو میں نے تو مقابلہ کیا میں تو فلاں ابتلاء میں پڑا اور صاف سلامت نکل آیا، یہ وہ تکبر ہے جس کے نتیجے میں گناہ نہ ہو تو ہلاکت کا موجب بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کو اگر لطیف نظر سے نہ دیکھا جائے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو عطا ہوئی اور بار بار پڑھ کر ان میں غور کر کے ان کی حقیقت کو نہ پایا جائے تو کئی سوال جو حل ہوتے ہیں اپنے ساتھ اور سوال اٹھا دیتے ہیں جو ناقابل حل دکھائی دیتے ہیں۔

پس معصومیت فی الحقیقت معصومیت اسی حد تک ہے جس حد تک استغفار کے سہارے قائم ہے جس حد تک انکسار اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ جہاں معصومیت میں بڑائی کا پہلو آ جائے اور اپنی خود پرستی کا مضمون داخل ہو جائے وہیں وہ معصومیت عظیم گناہ بن جاتی ہے بلکہ عام گناہوں سے بڑھ کر گناہ۔ یہ تو وہ موازنہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش فرمایا کہ گناہ نہ ہوتا تو تکبر ہوتا۔ وہ چونکہ چند لفظوں میں بیان فرمایا ہے اس لئے پڑھنے والے کو سمجھ نہیں آتی بسا اوقات۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جو میری تحریرات کو تین دفعہ نہیں پڑھتا غور سے، وہ متکبر ہے۔ اب اس کو بھی لوگ صحیح نہیں سمجھ سکے۔ ساری تحریرات کو لازماً تین دفعہ پڑھنا ہرگز مراد نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ میری تحریرات میں گہرے مضامین ہیں اگر انسان ایک نظر ڈال کر یہ سمجھ بیٹھے کہ اب مجھے حاجت نہیں رہی وہ تکبر ہے لیکن بسا اوقات تین دفعہ پڑھ کر چھوڑ دینا بھی تکبر بن جاتا ہے کیونکہ

بعض تحریریں ایسی ہیں جن کو بہت گہرے غور سے دیکھنا پڑتا ہے اور اس یقین کے ساتھ دیکھنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اگر تضاد نہیں ہے تو جو تضاد دکھائی دیتا ہے وہ دور ہونا چاہئے اور تضاد زبردستی دور نہیں ہوا کرتا، جھوٹ سے تضاد کو دور نہیں کیا جاسکتا۔ آنکھیں بند کر کے خطرے کو ٹالا نہیں جاسکتا اس لئے سچائی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں ڈوبیں اور اس سے قطع نظر کہ آپ پر حل ہوئی ہیں کہ نہیں سچائی کا دامن نہ چھوڑیں۔ جب سچائی کے ساتھ، اس کی روشنی کے ساتھ آپ تلاش کریں گے تو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات ہی میں ان کے جوابات بھی مل جائیں گے اور اگر زبردستی یا اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں میری گستاخی نہ ہوگئی ہو اپنے وہم، اپنے خیال، اپنے سوال پر پردہ ڈالنے کی کوشش کریں گے تو یہ استغفار نہیں ہے یہ اندھیرا ہے اور گناہ کا اندھیرا ہے۔ پس اس پہلو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں جہاں عظیم مضامین بیان ہوئے ہیں وہاں ساتھ ساتھ خطرات بھی لاحق ہیں اور ان خطرات سے بچ کر قدم رکھنا یہ سب سے اہم بات ہے اور اسی کے نتیجے میں اعلیٰ ترقیات نصیب ہوتی ہیں۔

اب ایک سوال اور اٹھتا ہے کہ گناہ کو پیدا کر کے ماحصل کیا ہے اس کا۔ اگر گناہ سے بچ جانا تکبر ہے، جیسا کہ میں نے بیان کیا یہ تکبر نہیں ہے، گناہ سے اللہ کے سہارے بچنا اور اپنے اوپر انحصار نہ کرنا، خدا کی رحمت پر انحصار کرنا گناہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اس فائدے کی طرف توجہ دلاتا ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تریاق کے مضمون میں بیان فرمایا ہے۔ جب انسان گناہ کی حقیقت سے واقف ہو جائے اور گناہ کے مادے کو اتنا پیس ڈالے کہ لازماً وہ اپنے بداثر سے انسان کو مجروح نہ کر سکے کلیۃً اس کے نقصان کی صفات مٹ چکی ہوں اس صورت میں انسان کے اندر ترقی کی راہیں کھلتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کی راہیں کھلتی ہیں، اگر اس کا تریاق بنانا اللہ کے فضل اور اس کے سہارے اور اس کی دعاؤں کے نتیجے میں ہو ورنہ نہیں کھلیں گی۔

اگر انسان یہ کہے کہ میں نے اپنے گناہ کو پیس ڈالا ہے تو اس کو ترقی کی کون سی راہ نصیب ہوگی وہ تو بالآخر شیطان بن کر اپنی عمر ضائع کرے گا لیکن اگر گناہ پر غلبہ ہمیشہ ذہن میں یہ خیال ڈالے کہ میرے خدا نے توفیق دی، قدم قدم، لحہ لحہ اس کے سہارے میں گناہ سے بچا ہوں تو یہ وہ نبی معصوم

والی کیفیت ہے ستر بار استغفار والی۔ آنحضرت ﷺ کا جو مسلسل استغفار تھا اس استغفار کے ذریعے آپ بلندیوں میں سفر کرتے رہے اور وہ بلندیوں کا سفر ہمیشہ جاری رہا۔ وہ اتنا عظیم بلندیوں کا سفر تھا کہ خاک ثریا سے بھی آگے نکل گئی اور جہاں سب سے اعلیٰ مخلوق فرشتوں کی پر مارنے کی طاقت نہیں تھی وہاں آنحضرت ﷺ کو خدا تعالیٰ نے رسائی بخشی اور اپنا وہ عرفان عطا کیا جو جبرائیل کو بھی نہیں تھا جو وحی لاتا ہے اور یہ سارا عرفان گناہ کے ردعمل میں اس کے خوف سے، اس سے بچنے کی کوشش سے استغفار کے نتیجے میں نصیب ہوتا ہے۔

پس لمحہ لمحہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا یہ وہ ترقی کی راہیں ہیں جو گناہ سے پھوٹتی ہیں۔ پس گناہ کا وجود اس کے کرنے کے لئے ضروری نہیں، اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے۔ جب اللہ فرماتا ہے میں گناہ کو پیدا کرتا تو اس لئے نہیں کہ گناہ میں لوگ ملوث ہوں، اس لئے کہ گناہ سے بچنے کی کوشش انسان کو لامتناہی ترقیات عطا فرما دے۔ اب اس فلسفے کو مزید سمجھنے کے لئے بیماری اور شفا کا مضمون ہے جو آپ پیش نظر رکھ سکتے ہیں۔ بیماری خدا نے پیدا ہی کیوں کی جیسا کہ گناہ کے متعلق سوال اٹھتا ہے گناہ پیدا ہی کیوں کیا۔ اگر بیماری پیدا ہی نہ ہوتی تو شفا کے لئے انسان کی کوشش کرنا اور اس کے بدن کا ارتقاء جو بیماریوں سے دوری کا سفر ہے یہ ممکن ہی نہیں تھا۔

وہ زندگی کی شکل جو آغاز میں ایک ادنیٰ، معمولی، ذلیل سے کیڑے کی حیثیت رکھتی ہے وہ مصیبتوں اور بیماریوں کی وجہ سے ترقی کی ہے۔ اب آنکھ کی روشنی کیوں نصیب ہوئی۔ آنکھ کی روشنی کا نہ ہونا ایک بیماری ہے جس کے نتیجے میں انسان دکھ میں مبتلا ہوتا ہے۔ سو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ٹکریں مارتا ہے، اپنی غذا کا پتا نہیں کہاں پڑی ہوئی ہے، زہر پہ منہ مارلے گا، غلط جگہوں پہ قدم رکھے گا۔ غرضیکہ بصارت حقیقت میں ایک شفا ہے اور اس کا فقدان بیماری ہے لیکن یہ بصارت بیماری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے کیونکہ زندگی نے جب آنکھ کے بغیر سفر شروع کیا ہے تو لاکھوں، کروڑوں، اربوں ٹھوکریں کھائی ہیں اور ہر ٹھوکر کے نتیجے میں ایک شعور بیدار ہوا ہے، ایک ٹھوکر کے مقام کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے وہ صلاحیت کروڑہا سال میں ترقی کرتے کرتے اچانک آنکھ کی شکل میں رونما ہوئی اور یہ ایک ایسا سفر تھا جس کو خدا تعالیٰ نے باقاعدہ آرگنائز کیا ہے مگر تکلیف کا ازالہ کرنا صرف تکلیف سے بچنے کی صورت نہ بنی بلکہ ایک ایسی چیز عطا ہوگئی جو اس کی لامتناہی ترقیات کا ایک ذریعہ بن گئی۔

اگر نظر کو انسانی زندگی سے آپ نکال لیں تو انسانی علمی ترقی کروڑوں سال پیچھے کی طرف لوٹ جائے گی یعنی انسان بننے سے پہلے کی حالتوں سے بھی پیچھے چلی جائے گی۔ اگر سماعت کو انسانی زندگی سے نکال لیں تو انسانی زندگی ادنیٰ حالتوں کی طرف لوٹ جائے گی مگر محض سماعت مقصود نہیں تھا۔ جب ایک انسان نے نہ سننے کی وجہ سے تکلیفیں اٹھائیں تو اس کا نہ سننا ایک بیماری بن گیا۔ اس بیماری سے شفا کے لئے اس کو جو جدوجہد کرنی پڑی ہے یہ ہے وہ تریاق جو بن رہا ہے اور وہ تریاق بالآخر سماعت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور سننے کی قوت نے انسان کو پھر وہ کچھ عطا کیا ہے کہ جو محض ابتدائی مصیبتوں سے بچنے تک اس کے کام نہیں آیا اس کو بہت آگے بڑھا کے لے گیا ہے۔ اگر یہیں تک بات رہتی تو پھر بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ فائدہ کیا ہوا اس مصیبت میں ڈالنے کا، پہلے ہی سماعت عطا کر دیتا، پہلے ہی وہ سننے کی طاقت عطا کر دیتا مگر وہ جو درجہ بدرجہ ترقی کی روح ہے وہ پہلے سے عطا ہوئی سننے کی طاقت اور دیکھنے کی طاقت سے نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔

ایک حرکت میں آیا ہے انسان یا زندگی ایک حرکت میں آئی ہے وہ بیماری کا گناہ، لاعلمی کا گناہ، جہالت کا گناہ، یہ وہ گناہ ہیں جن سے بچنے کے لئے اس نے جو جدوجہد کی ہے اس میں جس طرح گولی بندوق کی لمبی نالی میں زیادہ دیر تک سیدھا چلتی ہے ایک ارب سال کی مسافت نے اس کی ترقی کی راہ کو سیدھا کیا اور ایسی قوت بخشی ہے کہ یہاں پہنچ کر وہ خدا کی طرف اڑان کی تمنا لے کر اس کی طرف اڑنے کی صلاحیت حاصل کر گیا ورنہ نہ یہ تمنا پیدا ہوتی نہ یہ صلاحیت پیدا ہو سکتی تھی۔ تو ایسا وجود جو اندھا ہو، بہرہ ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو غور کیوں نہیں کرتے کہ اچانک یہ کیا ہوا کہ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (النساء: 59) بن گیا، وہ سننے والا بھی ہو گیا اور دیکھنے والا بھی ہو گیا۔ اس میں کیا سبق ہے؟ یہی سبق ہے کہ یہ ان کمزوریوں سے نجات جس محنت کے نتیجے میں اس کو حاصل ہوئی ہے اسی محنت کے نتیجے میں پھر اور آگے بڑھا ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی توجہ پیدا ہوئی اور صلاحیت نصیب ہوئی۔ پس اس مضمون کی روشنی میں جب آپ استغفار اور توبہ کو دیکھتے ہیں تو یہ ساری تکلیفیں، یہ ساری مشکلات جو اس راہ میں ہیں ان کا جواز دکھائی دینے لگتا ہے اور پھر اس آیت کریمہ کی زیادہ سمجھ آتی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ (الانشقاق: 7) اے انسان تجھے خدا تک جانے کے لئے بڑی محنت کرنی پڑی ہے اور بڑی محنت کر رہا ہے اور یہ محنت

اس بات کی ضامن ہے فَمُلٰقِيْهِ کہ تو اس رب کو ضرور ملے گا۔

پس لقاء باری تعالیٰ کا انعام ہے جو آخری صورت میں گناہ کے ردعمل کے طور پر عطا ہونا شروع ہوتا ہے اور جب یہ مضمون ردعمل کا آگے بڑھتا ہے تو پھر محض گناہ سے بچنے کا مقصد اپنی ذات میں مقصد نہیں رہتا بلکہ اس ذات سے تعلق مقصد بن جاتا ہے جس کے سہارے انسان گناہ سے بچتا ہے۔ شعور بیدار ہوتا دیکھتا ہے او ہواصل تو یہ ہے تو نیچے جھانک کر اگر پہاڑ پر سفر کرتے ہوئے آپ کھڈ سے بچنے کے لئے ایک احتیاط کرتے ہیں یا دل میں خوف پیدا ہوتا ہے میں گر نہ جاؤں تو محض وہ خوف اپنی ذات میں مقصود نہیں ہے۔ اس خوف سے بچ کر آگے بڑھنے کی جو تمنا پیدا ہوتی ہے، مزید بلندیاں حاصل کرنے کی تمنا پیدا ہوتی ہے وہ مقصود بالذات ہے۔ پس گرنے کا خوف دراصل وہ گناہ ہے جس کو پیدا کرنا انسان کی ترقیات کے لئے لازم تھا، گر جانا مقصود نہیں تھا۔

پس لوگ جو یہ خیال کر لیتے ہیں کہ گناہ کی خاطر جب گناہ کی اتنی اہمیت ہے تو چلو گرتے ہیں پھر۔ ان کو یہ نہیں پتا کہ بعض دفعہ گریں گے تو پھر اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔ ہاں ٹھوکریں کھانا، وہ گرنا نہیں ہے، یہ بے اختیاری کے قصے بھی ہیں اور ان باتوں میں اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے اور وعدہ فرماتا ہے کہ تم بچو اور توبہ کرو تو یہ ٹھوکریں ہیں رستے کی اور روزمرہ کی جو طبعی بے اختیاریاں ہیں جن کے نتیجے میں تمہیں کچھ نہ کچھ گناہ میں ملوث ہونا ہی پڑتا ہے اس کا میں وعدہ کرتا ہوں، پھر اس سے میں صرف نظر فرماؤں گا یعنی ان کے نقصانات سے تمہیں بچالوں گا۔ پس یہ وہ مضمون ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان ہوا جس کی تلاوت میں نے آپ کے سامنے کی۔ وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ۔ اب اس کا یہ ترجمہ عموماً رائج ہے اور بعض پہلوؤں سے اسے درست قرار دیا جاسکتا ہے مگر میرے نزدیک دراصل یہ ترجمہ یہاں درست نہیں ہے۔ اگر اس Context میں، یعنی ان معنوں میں درست نہیں جن معنوں میں میں بات بیان کر رہا ہوں اگر اس مضمون سے اس آیت کا مطالعہ کریں تو پھر وہ ترجمہ ناکافی ہوگا کچھ اور ترجمہ چاہئے ایسا ترجمہ جو عربی کے لحاظ سے بالکل درست ہو لیکن اس مضمون کا حق ادا کرنے والا ہو جو گناہوں سے بچنے کے نتیجے میں لامتناہی، ہمیشہ کی ترقیات کا مضمون ہے اور وہ بنے گا پھر وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ وہ توبہ کو قبول کر لیتا ہے عَنْ عِبَادِهٖ اپنے سچے بندوں سے جو اس کے عبد بن جاتے ہیں۔

جب توبہ قبول کر لی تو پھر وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ کا بعد میں جو وعدہ ہے اس کے پھر کیا معنی ہوئے۔ اس لئے وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے کیونکہ بخشش کے لئے عربی میں غفران کا لفظ ہے۔ عفا کا معنی نظر انداز کر دینا، گویا وہ نہیں ہیں اور جب خدا تعالیٰ کسی چیز کو نظر انداز کر دیتا ہے تو اس میں اس کے مٹانے کا مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے وہ پھر تمہاری سیاٰت کو دور فرمائے گا لیکن توبہ تم کرو مغفرت حاصل کرلو گناہوں سے پھر گناہوں میں لوٹو نہیں۔ جو چھوٹی موٹی بیماریاں، چھوٹے موٹے قصور باقی رہ جائیں گے ان میں پھر تمہیں اپنے آپ کو ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ۔ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ کہ وہ چھوٹی چھوٹی بیماریوں سے یا روزمرہ کی لغزشوں سے تمہیں ان معنوں میں بچالے گا کہ جب خدا عفو فرمائے گا تو اس کا قانون بھی عفو فرمائے گا۔

اب بندے کے عفو میں اور خدا کے عفو میں بہت بڑا فرق ہے ایک انسان جب کسی بچے کی کمزوریوں کو نظر انداز کرتا ہے تو وہ نظر اندازی لازم نہیں کہ اس کی اصلاح پر منتج ہو۔ کوئی نظر اندازی اس کی بیماریوں کو مستقل کرنے کا موجب بھی بن سکتی ہے اور اس کے بداثرات سے اس کو بچا نہیں سکتی۔ اس لئے کمزوریوں کو نظر انداز کرنا بھی حکمت کو چاہتا ہے اور حکمت بالغہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے بچوں کی کمزوریوں پر اس حد تک صرف نظر کا سلوک فرمائے جس حد تک وہ صرف نظر ان کو مٹانے کا موجب بنے کیونکہ عفو میں مٹانے کا مضمون ہے۔ **عفت الدیار محلها ومقامها** اس میں مٹ جانا اور بے نام و نشان رہ جانا یہ مضمون ہے۔

جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عفو کا سلوک فرمائے گا السَّيِّاٰتِ سے تو اس طرح کا عفو کا سلوک نہیں جو جاہل مائیں اپنے بچوں کی غلطیوں سے کرتی ہیں تو وہ ان غلطیوں میں اور بھی بڑھ جاتے ہیں۔ جب خدا عفو کرتا ہے تو غلطیاں مٹ جایا کرتی ہیں اور انسانوں میں بھی یہ بات مشاہدے میں آئی ہے بارہا تربیت میں ہم نے دیکھا ہے کہ اگر بچہ شریف النفس ہو اس میں توجہ ہو اصلاح کی جو توبہ سے پیدا ہوتی ہے تو توبہ کے بعد عفو کا مضمون ہے اصل میں۔ پھر آپ اگر اس سے عفو کا سلوک کریں تو اس کی توبہ کی حوصلہ افزائی ہوگی، اسے مزید طاقت ملے گی کہ وہ اپنی اصلاح کے راستے میں اور آگے قدم بڑھائے اور وہ جو تائب نہیں ہے اس کے ساتھ جتنا عفو کا سلوک کریں گے اتنا ہی اس پر ظلم کر رہے ہوں گے اور

اتنا ہی اس کی بیماریاں زیادہ جڑ پکڑ جائیں گی، اتنا ہی وہ زیادہ بدتمیز اور بدخلق ہوتا چلا جائے گا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہر مضمون کو اس کے محل پر رکھا ہے جب خدا توبہ قبول کر لے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ایسے شخص کی بیماریاں مٹنی شروع ہو جائیں، اس کی روزمرہ کی کمزوریوں میں کمی آنی شروع ہو جائے۔ تو اس لئے فرما رہا ہے کہ وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وہ تمہاری بیماریوں اور ان کمزوریوں کو جو گناہ نہیں ہیں مگر گناہ کے لئے بنیادیں بن جاتی ہیں، گناہ ان کمزوریوں سے تقویت پا کر پھر آگے بڑھتے ہیں یا وہ خود عارضی، معمولی کمزوریاں بالآخر عدم توجہ کی وجہ سے گناہ بن جایا کرتی ہیں ان سے عفو ان معنوں میں فرمائے گا کہ ان کو مٹا ڈالے گا ان کا کوئی وجود بھی باقی نہیں رہے گا۔

اور وَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ اور یہ فیصلہ خدا کا اس لئے قابل عمل ہے کہ وہ جانتا ہے کہ انسان کیا کر رہا ہے۔ انسان جب عفو کا سلوک کرتا ہے اگر زیادہ ذہین ہوگا تو بہتر عفو کا سلوک ہوگا، بہتر نتیجہ نکلے گا۔ اگر نسبتاً کم عقل ہوگا تو چونکہ جانتا نہیں ہے کہ وہ شخص کیا کرتا ہے، اس کے اندر کا کیا حال ہے اس لئے اس کا عفو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ بالکل فکر نہ کرو، وہ تمہارے اعمال سے واقف ہے اس لئے عفو کا سلوک جب بھی فرمائے گا تمہارے فائدے میں فرمائے گا اور تمہارے اعمال کی بہتری کا موجب بنے گا اور اس کے بعد پھر وَ يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا مضمون ہے۔ فرمایا وہ لوگ جو اس مرتبے کو حاصل کر لیں، خدا کا سچا بندہ بنتے ہوئے توبہ کر لیں اور اس توبہ کو اللہ قبول فرمالے اور قبولیت کے بعد ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کا نشان ان میں ظاہر فرما دے، انسان دیکھیں اور پہچانیں کہ یہ شخص روز بروز بہتر ہوتا چلا جا رہا ہے اس میں کسی آسمان سے اترنے والے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنے اندر پاک تبدیلیاں کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، سچی توبہ کرتا ہے اس کے ساتھ یہی معاملہ آپ ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ اچانک وہ کمزوریوں سے نکل کر ولی اللہ نہیں بن جاتا مگر اس کا قدم ولایت کی طرف اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ دن بدن اس کی عادتوں کی خرابیاں دور ہونے لگتی ہیں۔ اگر پہلے روزمرہ جھوٹ بولتا تھا تو اب رک رک کے بولے گا۔ شروع میں احتیاطیں کرے گا پھر نکل جائے گا جھوٹ۔ تو توبہ کرے گا، استغفار کرے گا اور یہ توبہ کا عمل جب مقبول ہو جائے گا تو جھوٹ سے بچ جائے گا اور وہ ادنیٰ کمزوریاں جو جھوٹ کی طرف مائل کرتی ہیں ان کے دور ہونے کا عمل شروع ہو جائے گا اور یہ وہ

ساری باتیں ہیں جو انسان کو دکھائی دیتی ہیں اگر چہ ان کے پیچھے تقویٰ کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔

پس آپ یہ فیصلہ تو نہیں کر سکتے کہ کوئی متقی ہے کیونکہ ایسا ہی عمل بسا اوقات یا بسا اوقات نہیں تو شاذ کے طور پر بعض منافق بھی کر دکھاتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کئی لوگ جو احمدی اس نیت سے ہوتے ہیں کہ انہیں اسائلم مل جائے وہ بعض دفعہ ایک ایک سال دو دو سال بڑی محنت کرتے ہیں۔ بے چارے اپنی برائیاں ساری چھوڑتے ہیں، نمازیں شروع کر دیتے ہیں، مسجد میں جاتے ہیں، اپنی جیب سے پیسے بھی نکالتے ہیں چندے کے لئے مگر جہاں ان کا کام بناو ہیں وہ چھٹی کر گئے۔ تو جو جماعتیں ہیں وہ بے چاری تو عمل سے واقف نہیں ہیں نا اس لئے ان کو حق ہی نہیں ہے کہ وہ یہ کہیں کہ ہوسکتا ہے یہ منافق ہو۔ اس لئے جب کوئی کہتے ہیں کہ یہ اس طرح کر رہا ہے اب بتائیں ہمیں کیا پتا سچ مچ ایسا کر رہا ہے یا اسائلم کی خاطر کر رہا ہے۔ تو میں ان سے کہتا ہوں آپ کا فرض صرف ظاہر پر نظر رکھنا ہے۔ اگر ظاہری طور پر آپ اس کے اندر کوئی خرابی نہیں دیکھتے، اگر ظاہری طور پر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ جیسا آپ کے ساتھ ہے ویسا آپ سے دور ہو کر علیحدگی میں بھی رہتا ہے تو پھر آپ کو ہرگز حق نہیں ہے کہ اس کے ایمان پر شک کریں۔ مگر اس کے باوجود ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ بہت ہی مخلص بنا ہوا آدمی اچانک پھر اپنے پر پرزے نکالتا ہے اور کچھ کا کچھ دکھائی دینے لگتا ہے۔ تو انسان کو واقفیت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو واقفیت ہے۔ اس لئے تقویٰ کا فیصلہ ہم پھر بھی نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی اچھا ہو جائے ہم یہ کہیں گے کہ دیکھنے میں اس کے اندر کوئی برائی نہیں ہے، دیکھنے میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کے اقرار پر شک کیا جائے اس لئے ہم اپنا فیصلہ صادر کر دیں گے اس کے حق میں۔ پھر جو کچھ وہ کمائے گا اگر خدا کے علم میں وہ منافق ہے تو اس سے کوئی نیک فیصلہ اس کو حاصل نہیں ہوگا اور ہمیں نقصان کیا ہے۔ چند دن اس نے نیکیاں کر لیں چلو یہی بہت ہے اگر اس حالت میں مر جاتا تو شاید ظاہر کا ہی فائدہ اس کو کچھ پہنچ جاتا مگر اگر وہ پھر گیا ہے تو دوہرا نقصان اٹھا کر پھرا ہے۔ اس لئے اس بارے میں کسی تردّد کی ضرورت نہیں۔

لیکن یہ یاد رکھیں کہ اکثر لوگ واقعۃً جب تبدیلیاں ہو رہی ہیں تو اچھے ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور اکثر ایسے احمدی جو دوسرے معاشرے سے آئے ہیں انہوں نے مخالفت نہیں کی بلکہ ان کے اندر حیرت انگیز پاک تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں اور ہوتی چلی جاتی ہیں پھر۔ پھر اسائلم منظور ہو یا نہ ہو

اس کی بالکل کوئی بھی اہمیت ان کے دل میں باقی نہیں رہتی۔ بعض نے تو یہاں تک مجھے کہا کہ اگر یہ شک ہے تو میں واپس جاتا ہوں اور اسائلم کو ٹھوکر مارتا ہوں اور وہاں جا کے آپ کو پتا لگے گا کہ میں کیسا احمدی ہوں۔ واپس گیا اور انتہائی ثابت قدمی دکھائی۔ سخت تکلیفوں میں مبتلا ہوا۔ اُف نہیں کی۔ تو ایسے ایسے بھی صادق لوگ ہیں جو جھوٹ سے نکل کر سچ کی وادی میں داخل ہوتے ہیں اور پھر بڑی مضبوطی سے ان کا قدم ہمیشہ بلندیوں کی طرف جاری رہتا ہے، یہ وہ علامتیں ہیں جو ظاہر ہونی لازماً ہیں۔

کثرت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تعلق کی بناء یہ بیان فرمائی۔ آپ نے کہا ہم نے دیکھا ہے مستجاب الدعوات ہے، اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں ہم سر پھرے تو نہیں جو شک کرنا شروع کریں۔ چنانچہ کپورتھلہ کی جماعت کا خاصہ یہ تھا کہ علم کی بناء پر وہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے غلام اور صادق وفادار نہیں بنے بلکہ نشان کو دیکھ کر بنے ہیں اور سچوں کا نشان ایک تو مستجاب الدعوات ہونے کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا اس کا اپنا چہرہ، اس کا اپنا قول خدا کی صفات کا جلوہ گر بن جاتا ہے اور وہ سچا دکھائی دینے لگتا ہے، سچا سنائی دینے لگتا ہے۔

یہ جو دلیل ہے اس دلیل نے صحابہؓ کی زندگی میں ان کی کایا پلٹ دی، انقلاب برپا کر دیا۔ منشی اروڑے خاںؓ کے واقعات آپ پڑھیں جو ہزارہا ایسے صحابہ میں سے ایک تھے۔ ان سے جب لوگ پوچھتے تھے کہ بتاؤ کیا دیکھا تو شدت جذبات سے ان کی بعض دفعہ چیخیں نکل جاتی تھیں۔ کیا دیکھا؟ نور دیکھا، صداقت دیکھی، دلیل سے نہیں اس چہرے پر نمایاں تھی۔ وہ ایک سچے کا چہرہ تھا جس پر دل طبعاً عاشق ہوتا تھا، اچھل اچھل کر عاشق ہوتا تھا اور مقبول الدعوات تھا۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں اور اس کی بہت سی مثالیں وہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ کیسے ناممکن حالات میں وہ دعا قبول ہوتی اور حیرت انگیز طور پر اپنا جلوہ دکھاتی تھی تو یہ دو علامتیں ہیں جو آپ کی زندگی میں گناہ کے تریاق سے پیدا ہوتی ہیں، گناہ سے نہیں۔

گناہ کے خطرے سے جو تریاق پیدا ہوتا ہے وہ توجہ الی اللہ ہے، وہ استغفار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اگر اس کی حفاظت کی جائے، اس کو محفوظ طریق پر آگے بڑھایا جائے تو لازماً وہ بندے پیدا کر دیتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ عبادالرحمٰن کہتا ہے یا یہ فرماتا ہے کہ وہ اولیاء اللہ ہو جاتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس:63) خبردار یہ خدا کے ولی لوگ ہیں ان کو کوئی حزن نہیں لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ ان کے خلاف کوئی بھی خوف اثر نہیں دکھاتا۔ خوف پیدا ہوتے تم دیکھتے ہو، تم ڈرتے ہو گے خوف سے۔ ان کو تو ایک ذرہ بھر بھی کسی خوف کی پرواہ نہیں رہتی۔

پس آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کس نے خوفوں میں سے گزرتے ہوئے زندگی بسر کی ہے۔ ایک ایک قدم مقام خوف تھا جہاں دشمن جو بے انتہا طاقتور تھا آپؐ کو ہر قدم مٹا دینے کے منصوبے بناتا تھا۔ مگر ایسا بے خوف سفر ہے کہ کوڑی کی بھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ جب آپؐ کے چچا ابو طالب نے آپ کو ڈرانا تو نہیں کہنا چاہئے مگر مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ دیکھیں کس بہادری سے، کس یقین کامل کے ساتھ جواب دیا کہ چچا میں آپ کی قدر کرتا ہوں، آپ کا احسان ہے، آپ نے مجھ پر اپنی شفقت کا سایہ رکھا ہے مگر یہ نہ وہم کریں کہ آپ بچا رہے ہیں۔ ایک کوڑی کا بھی مجھے وہم نہیں کہ آپ مجھے بچانے والے ہیں۔ میرا بچانے والا میرا خدا ہے اس لئے اپنی پناہیں کھینچ لیں، اپنی چار دیواری سے مجھے باہر نکال دیں، مجھے کوڑی کی بھی اس بات کی پرواہ نہیں ہے۔ میرا خدا ہے جو مجھے بچاتا رہا ہے اور میرا خدا ہے جو آئندہ بھی مجھے بچائے گا۔

تو لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ کا تو یہ مطلب ہے ہی نہیں کہ خوف پیدا نہیں ہوتا۔ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ کا مطلب یہ ہے کثرت سے خوف پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ خوف ان کی ذات کو مرعوب نہیں کر سکتے، بالکل بے اثر اور بے معنی اور بے حقیقت دکھائی دیتے ہیں۔ پس خوفوں میں سے گزرنا اور ان خوفوں کو تمکنت میں تبدیل کر دینا، امن کی حالت میں بدل دینا یہ انبیاءؑ کی شان ہے جو بعد میں ان سلسلوں میں جاری رہتی ہے پھر اور انہی کا فیض ہے جو خلافت میں یا مجددیت میں یا ولایت میں یا دوسری چیزوں میں آگے پھر آپ کو جاری وساری دکھائی دیتا ہے اور یہ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ کا مضمون انہی کے حق میں پورا ہوتا ہے جو ان صفات سے مزین ہوں جن کا ان آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ خدا کے خالص بندے ہو جاتے ہیں، سچی توبہ کرتے ہیں، اس کی طرف جھکتے ہیں، اس کی طرف تمام تر توجہات کے ساتھ مائل ہوتے ہیں۔ وہ اس سے مانگنا شروع کرتے ہیں اور اس پر بناء کرتے ہیں اور پھر ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، ان کو نئے نشان عطا کئے جاتے ہیں۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی شرط ہے۔ ایمان سچا ہو اور نیک اعمال رونما ہونے لگیں ان سے کیونکہ خالی توبہ کی کوئی بھی حقیقت نہیں اگر بدیوں کے بدلے نیک اعمال نہ لے لیں۔

پس یہ ایک اور مضمون ہے جو اس آیت نے ہمیں سکھا دیا کہ محض استغفار کے اندر ایک منفی پہلو نہیں ہے کہ زہر سے بچو۔ بچنے کے بعد زندگی میں کچھ مثبت کیفیت پیدا ہونی چاہئیں جو تمہاری زندگی کی صلاحیتوں کو پہلے سے بڑھا دیں اور یہی مضمون ہے جو میں پہلے شروع میں بیان کر چکا ہوں۔ اس آیت کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔ قبولیتِ توبہ اور عفو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے اس کے نتیجے میں صرف دعا کا نشان نہیں ملتا بلکہ ہمیشہ کی ترقیات کا نشان ملتا ہے اور دعا کی مقبولیت کا ایک ایسا نشان ملتا ہے کہ جو کچھ مانگا گیا اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ آپ اپنے تصور کے مطابق جو کچھ مانگ بیٹھتے ہیں وہ مانگ لیں اس سے بہت زیادہ خدا عطا کرتا ہے۔

پس وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ میں استجابت کے بعد کا مضمون ہے کہ ان کی دعائیں صرف اس حد تک قبول نہیں ہوتیں کہ جو مانگا وہ مل گیا بلکہ جو نہیں مانگا وہ بھی ملنا شروع ہو جاتا ہے اور بہت بڑھا بڑھا کر اللہ اپنا فضل کیا کرتا ہے۔ اس کی مثال بارہا میں نے بیان کی ہے لیکن ابھی بھی کروں گا اس لئے کہ اس کا مزہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جب آپ بے سہارا، بے یار و مددگار مدین کی بستی میں ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دو خواتین آئیں بچیاں، وہ ریوڑ کو پانی پلانے کے لئے لیکن مردوں میں ان کو جگہ نہیں ملتی تھی، انتظار کر رہی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کی مدد کی پھر واپس درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور یہ دعا کی رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (القصص: 25) اے میرے رب جو بھی تو اس فقیر کی جھولی میں ڈال دے میں اسی کا محتاج ہوں اور اس وقت آپؑ کے ذہن میں نبوت کا تصور بھی نہیں تھا۔ لازماً نہیں تھا کیونکہ جب نبوت ملی تو دل دہل گیا اور منتیں کرنے لگے کہ اے خدا مجھے نہ نبوت بخش۔ یہ ایک ہی نبی ہے جس نے اس شدت کے ساتھ نبوت کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ساری انبیاءؑ کی تاریخ پڑھ لیں آپ کو ایسا نظر نہیں آئے گا کہ اے اللہ مجھے نہ بنا میرے بھائی کو بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا میں نے تجھے تو بنانا ہی بنانا ہے وہ مجھ سے تو مانگ بیٹھا ہے جس کے بعد مجھے اس مضمون میں سب کچھ تجھے عطا کرنا ہے۔

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ جب مجھ پر چھوڑ دیا ہے میں کیا دوں تو میں صرف تیری وقتی طور پر بھوک اور سر چھپانے کی جگہ کی ضرورتیں پوری کیوں کروں۔ شادی بھی ہوگئی لیکن جب مجھ پر چھوڑا ہے کہ میں کیا کیا دوں تو پھر میں تو بہت کچھ دوں گا۔ اب تیرا سوال ختم اور وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ والا مضمون شروع ہوگیا ہے۔ اب میں بڑھاؤں گا اور ضرور بڑھاؤں گا۔ پس یہ وہ سفر ہے جو کیسا خوبصورت، کیسا دلکش سفر ہے۔ ایک ایک لمحہ اللہ کے سہارے چلتا ہے۔ کوئی گناہ نہیں ہے جس سے انسان کو نجات مل سکے اگر سچا استغفار نہ ہو اور توبہ کی سچی نیت نہ ہو اور جب یہ ہوتا ہے تو پھر اور مزید گناہوں سے بچنے کی توفیق ملتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ توبہ کی قبولیت کا اعلان فرماتا ہے کہ اے بندے تیری توبہ قبول ہے۔

جب قبول فرما لیتا ہے تو پھر وہ دوسرا حصہ وَيَعۡفُوۡا عَنِ السَّيِّاٰتِ شروع ہوجاتا ہے۔ ساری جھاڑ پونچھ گھر کی شروع ہوجاتی ہے۔ کمزوریاں یہاں کی، وہاں کی وہ بھی ساری مٹنے لگتی ہیں تو انسان کا دل کلیتہً پاک وصاف ہو کر خدا کی آماجگاہ بننے کی اہلیت حاصل کر لیتا ہے پھر ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نشانات عطا فرماتا ہے، قرب کے نشانات عطا فرماتا ہے اور وہ نشان دنیا دیکھنے لگتی ہے اور ان کو دکھائی دیتا ہے۔ پھر خدا کے فضل یہاں ٹھہرتے نہیں بلکہ ان کو وہ ترقیات ملتی ہیں جن کا ان کو گمان بھی نہیں تھا جن کو انہوں نے مانگا ہی نہیں تھا اور اتنے پیارے سفر میں جو گناہ کے تریاق کا مضمون ہے ہرگز یہ مراد نہیں کہ خدا کو گناہ کا اتنا شوق ہے کہ اگر کوئی گناہ سے پاک ہوجائے تو گناہ کروانے کی خاطر اور پیدا فرمائے۔ گناہ سے بچتے ہوؤں کو دیکھنے کا شوق ہے۔ بڑے بڑے خطرناک مقام پر قدم رکھنے والوں کو دیکھنے کا شوق ہے جو نیچے دیکھتے ہیں اور ان کے دل نہیں دہلتے، دہلتے ہیں تو خدا کی پناہ میں آتے ہیں اور اس سے سہارے مانگتے ہوئے اپنی بلندیوں کا سفر ختم نہیں کرتے اور آگے بڑھاتے ہیں اور کامل یقین رکھتے ہیں کہ جس ہاتھ میں ہم نے ہاتھ دے دیا ہے وہ ہمیں چھوڑے گا نہیں۔

یہ وہ سفر ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ پھر آپ کو بلانے کے لئے تشریف لائے اور یہ سفر کر کے دکھا دیا۔ اپنے صحابہؓ کی کیفیات بدل کے دکھا دیں۔ ادنیٰ ادنیٰ معمولی معمولی انسانوں پر ہاتھ ڈالا اور انہیں کچھ سے کچھ بنا دیا۔ منشی اروڑے خانؓ کی بات ہی میں کر رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کی مثال بتایا کرتے تھے۔ کہتے تھے میں تو ایک معمولی سا دھوبی تھا۔ نہ کوئی تعلیم،

نہ کوئی حیثیت، ایک چپڑاسی کے طور پر میں تحصیل میں ملازم ہوا اور اس زمانے میں تحصیلدار کے طور پر ریٹائر ہوئے ہیں۔ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا ایک ادنیٰ چپڑاسی ترقی کرتے ہوئے اپنے سارے تعلیم یافتہ اور بڑے بڑے عالم فاضل ساتھیوں کو چھوڑ کر اور ایسا تحصیل دار بن جائے جس کا رعب تمام اس علاقے میں اس طرح ہو جیسا پہلے کبھی کسی کا نہیں ہوا تھا اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے کہتے تھے ہوا ہے۔ اس کا ثبوت کیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اندر جو توکل پیدا کیا اور جو نیکی اور انصاف پیدا کیا وہ دکھائی دینے لگا تھا۔ جیسے میں نے بتایا یہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں پھر۔ اس زمانے کے انگریز افسر بڑے رعب دار بھی ہوا کرتے تھے لیکن ذہین بھی تھے اور صلاحیتوں کو پہچانتے بھی تھے۔ جس افسر کے ساتھ انہوں نے کام کیا وہ حیران رہ گیا دیکھ کر یہ عام آدمی تو نہیں یہ تو کوئی مختلف چیز ہے۔ کوئی حرص نہیں ہے، کوئی پرواہ نہیں، سادہ دو کپڑوں میں ملبوس، دو روٹیاں کھاتا اور باقی سب پیسے بچا بچا کے نیکی کے کاموں پہ لگا رہا ہے۔ تو اس کا یہ اثر تھا کہ وہاں کا جو سب سے بڑا انگریز افسر جس کی کوئی بھی، جو بھی اس وقت حیثیت تھی جس کے اختیار میں تھا، اس کی ان پر نظر پڑی۔ اس نے دیکھا یہ تو ایک ہیرا ہے اور اس نے پھر ان کو ترقی دینا شروع کی اور پھر پیچھے جا جا کے دیکھا بھی کرتا تھا کہ دیکھیں کیا کر رہا ہے۔ پس جب تحصیلدار بنا دیا تو بعد میں اس علاقے کے دورے پر ہر جگہ گیا تو لوگوں سے پوچھا یہ کیسا تحصیلدار ہے تمہارا۔ انہوں نے کہا تحصیلدار کیا ہے یہ تو ہماری ماں ہے، ہمارا باپ ہے، ہمارا سب کچھ ہے۔ اس جیسا انسان تو ہم نے دیکھا ہی کبھی نہیں۔ چنانچہ بڑے فخر کے ساتھ اس نے اس بات کا ذکر تحریر میں کیا ہے۔ اس نے کہا انسانی قدریں یہ ہوں تو ایسی ہوں پھر اور حضرت منشی اروڑے خانؓ جانتے تھے کہ میں کیسے بنا۔ مجھے تو مسیح موعودؑ کی ایک نظر نے انسان بنا دیا ہے۔

تو جب خدا کے پاک بندوں کی نظریں انسان بنایا کرتی ہیں تو اس طرح بناتی ہیں۔ لمبی محنت اور قربانیوں کے دور سے گزرتے ہو تو پھر باخدا انسان بنا کرتے ہو۔ آناً فاناً یہ معجزے نہ دیکھو نہ ویسے ہوا کرتے ہیں لیکن آناً فاناً انقلاب کے فیصلے ضرور ہو جاتے ہیں۔ جب بھی آپ نے فیصلہ کر لیا کہ استغفار کی اس راہ پر قدم رکھنا ہے جو بالآخر ملقیہ کے وعدے تک پہنچتی ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں آپ کا ہاتھ آ جائے گا۔ آپ کا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں آ جائے گا اور یہ سفر انشاء اللہ کامیابی کے ساتھ طے ہوگا۔